

24549

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

درج ذیل امور کے بارے میں وضاحت
مطلوب ہے۔

- ۱۔ مسجد کے امام، موزن اور خادم کی تنخواہ کی
شرعاً کوئی حد مقرر ہے؟
واضح رہے کہ ایک خاتون نے اپنی زندگی ہی میں
مسجد کے امام و موزن کی رہائش کے لئے پلاٹ
وقف کر دیا تھا۔ جس پر تعمیر مسجد کمیٹی نے کروائی۔
اور گیس بجلی وغیرہ کے بل کی ادائیگی بھی مسجد کمیٹی
کرتی ہے۔
- ۲۔ ضرورت پورا ہونا اس سے کیا مراد ہے
یعنی دور حاضر میں ضرورت کا صحیح مفہوم کیا ہے؟

نوٹ : مسجد کمیٹی، امام اور موزن کیلئے شرعی اصول
مقرر ہو تو براہ کرم اس سے بھی مطلع فرمادیں۔

مولانا افضل صاحب
امام جامع مسجد جامعہ





بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب حامدا ومصليا

﴿۱﴾ واضح رہے کہ امامت کروانا اور اذان دینا اسلام کے دو معزز شعبے ہیں، جس میں کام کرنے والوں کی نیت خالصتہ دین کی خدمت اور اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی ہونی چاہئے اور دینی خدمات کو دنیا حاصل کرنے کا ذریعہ بنانا ہرگز جائز نہیں۔ البتہ امام و مؤذن کے لئے انکی خدمات اور منصب کے مطابق اسلامی حکومت کی طرف سے مناسب وظائف مقرر ہونے چاہئے، جیسا کہ ایک طویل عرصہ تک یہی طریقہ جاری رہا ہے۔ تاہم اسلامی حکومتوں کے زوال کے بعد جب بیت المال کی یہ ترتیب ممکن نہ رہی تو چونکہ امام اور مؤذن کو روزانہ پانچ وقت نماز پڑھانے یا اذان دینے کیلئے ہر وقت حاضر رہنا ضروری ہوتا ہے، جسکو انجام دینے کے ساتھ ساتھ باقاعدہ کوئی کاروبار وغیرہ کرنا یا کوئی ذریعہ معاش اپنانا ممکن نہیں، اسلئے اہل محلہ اور مسجد کی انتظامیہ کی یہ ذمہ داری قرار دی گئی کہ ان کے منصب کے مطابق اور ان کے اور انکے بیوی بچوں کی ضروریات پورا کرنے کے لئے مناسب انتظام کیا جائے۔ اسی بناء پر امام اور مؤذن کے لئے تنخواہ لینے کو جائز قرار دیا گیا ہے، لہذا علاقے کے مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان حضرات کیلئے عرف کے مطابق تنخواہ اور سہولیات کا انتظام کریں:

بدائع الصنائع ، دارالکتب العلمیة - (14 / 7)

أما الحل؛ فلما بینا أنه عامل للمسلمین، فكانت کفایتہ علیہم

فتح القدیر للکمال ابن الہمام - (258 / 7)

لأنه فرغ نفسه للعمل للمسلمین، فكانت کفایتہ وعیالہ علیہم.

المبسوط للسرخسی ، دارالمعرفة - (102 / 16)

وذكر عن عمر بن الخطاب - رضي الله عنه - أنه كان يرزق سليمان بن ربيعة الباهلي عن القضاء كل شهر خمسمائة درهم، وفيه دليل على أن الإمام يعطي القاضي كفايته من مال بيت المال، وأنه لا بأس للقاضي أن يأخذ ذلك؛ لأنه فرغ نفسه لعمل المسلمين فيكون كفايته وكفاية عياله في مال المسلمين،

الفتاوى الهندية ، رشيدية - (329 / 3)

القاضي إذا كان يأخذ من بيت المال شيئا لا يكون عاملا بالأجر بل يكون عاملا لله تعالى - ويستوفي حقه من مال الله تعالى - وكذا الفقهاء، والعلماء، والمعلمون الذين يعلمون القرآن.

تاہم شریعت نے اس وظیفے کی کوئی خاص مقدار مقرر نہیں کی، بلکہ اس کیلئے یہ اصول بیان کیا ہے کہ ان کو وقف کی آمدنی سے اتنا وظیفہ دیا جائے جس سے:

1. اس زمانے اور علاقے کے عرف کے مطابق انکی حاجتیں بہ آسانی پوری ہو جائیں۔

2. اور اس وظیفہ کے ملنے کے بعد وہ یکسوئی سے اپنی دینی خدمات انجام دے سکیں۔ انہیں مزید کمانے کی ضرورت نہ رہے کہ جس سے دینی خدمات کی انجام دہی میں خلل واقع ہو۔

بدائع الصنائع ، دارالکتب العلمیة - (23 / 4)

ولأنه أوجبها باسم الرزق ورزق الإنسان كفايته في العرف والعادة كرزق القاضي .

الدر المختار - (6 / 389)

وجاز (رزق القاضي) ... وعبر بالرزق ليفيد تقديره بقدر ما يكفيه وأهله في كل زمان

رد المختار - (6 / 389)

(قوله في كل زمان) متعلق بتقدير أو بيكفيه أي بقدر بقدر كفايته في كل زمان، لأن المونة

تختلف باختلاف الزمان

فتح القدير للكمال ابن الهمام - (7 / 258)

وكان عمر - رضي الله عنه - يرزق شريحا كل شهر مائة درهم ورزقه علي خمسائة وذلك لقلّة عياله في زمن عمر - رضي الله عنه -، أو رخص السعر وكثرة عياله في زمن علي - رضي الله عنه - أو غلاء السعر، فرزق القاضي لا يقدر بشيء لأنه ليس بأجر لأنه لا يحل على القضاء.

البحر الرائق، دارالكتاب الاسلامي - (8 / 237)

ثم إذا كان القاضي محتاجا فله أن يأخذ ليتوصل إلى إقامة حقوق المسلمين؛ لأنه لو اشتغل بالكسب لما تفرغ لذلك

نیز مسجد کے متولی حضرات کو یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہئے کہ وہ مسجد کا فنڈ استعمال کرنے میں آزاد نہیں، بلکہ شریعت کے بتائے گئے احکامات کے پابند ہیں، اور شرعاً مسجد کی آمدنی کو خرچ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ مسجد کی آمدنی سب سے پہلے اسکی ضروری تعمیرات اور امام، مؤذن اور خادم وغیرہ کے مشاہرے میں خرچ کی جائے۔ اس سے اگر کچھ بچے تو وہ مسجد کی دیگر ضرورتوں یا سہولتوں (مثلاً: صفوں اور چراغوں کے تیل وغیرہ) میں خرچ کیا جائے، فقہاء نے اس کی تصریح فرمائی ہے:

البحر الرائق، دارالكتاب الاسلامي - (5 / 230)

والذي يتبدأ به من ارتفاع الوقف عمارته شرط الواقف أو لا ثم ما هو أقرب إلى العمارة وأعم للمصلحة كالإمام للمسجد والمدرس للمدرسة يصرف إليهم إلى قدر كفايتهم ثم السراج والبساط كذلك إلى آخر المصالح. اهـ.

وظاهره تقدم الإمام والمدرس على جميع المستحقين.... وقوله ثم السراج بكسر السين أي القناديل ومراده مع زيتها والبساط بكسر الباء أي الخصير ويلحق بما معلوم خادمها وهو الوقاد والفراش فيقدمان وتعبيره بثم دون الواو يدل على أنهما مؤخران عن الإمام والمدرس وفي القنية لو اشترى بساطا نفيسا من غلته جاز إذا استغنى المسجد عن العمارة. اهـ. وقوله إلى آخر المصالح أي مصالح المسجد فيدخل المؤذن والناظر لأننا قدمنا أنهم من المصالح. اهـ.

منحة الخالق - (5 / 230)

قوله والتسوية بالعمارة تقتضي تقديمها إلخ المراد بالتسوية الاستفادة من قوله ما هو أقرب للعمارة مع أنها معطوفة بثم المفيدة للترتيب لكن ما قرب من الشيء يعطى حكمه

الدر المختار - (4 / 366)

(ويبدأ من غلته بعمارته ثم ما هو أقرب لعمارته كإمام مسجد ومدرس مدرسة يعطون بقدر كفايتهم ثم السراج والبساط كذلك إلى آخر المصالح وعمامه في البحر

رد المختار - (4 / 367)

(قوله: ثم ما هو أقرب لعمارته إلخ) أي فإن انتهت عمارته وفضل من الغلة شيء يبدأ بما هو



أقرب للعمارة وهو عمارته المعنوية التي هي قيام شعائره قال في الحاوي القدسي: والذي يبدأ به من ارتفاع الوقف أي من غلته عمارته شرط الواقف أولا ثم ما هو أقرب إلى العمارة، وأعم للمصلحة كالإمام للمسجد، والمدرس للمدرسة يصرف إليهم إلى قدر كفايتهم، السراج والبساط كذلك إلى آخر المصالح .

حتی کہ فقہاء کرام نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر واقف کی طرف سے طے کی گئی تنخواہ امام کی ضروریات کیلئے کافی نہ ہو تو شریعت کے عام قاعدہ (شرط الواقف کنس الشارع، یعنی واقف کی شرائط کی پابندی بہر حال لازم ہے) کے برخلاف یہاں واقف کی بات نہیں مانی جائے گی، بلکہ امام کو واقف کی طے کی گئی تنخواہ سے اتنا بڑھا کر دیا جائے گا، جس سے اسکی ضرورت پوری ہو سکے:

الدر المختار - (4 / 366)

(ویدأ من غلته بعمارته ثم ما هو أقرب لعمارته كإمام مسجد ومدرس مدرسة يعطون بقدر

كفايتهم

رد المختار - (4 / 367)

فانهم (قوله: بقدر كفايتهم) أي لا بقدر استحقاقهم المشروط لهم.... وبقويہ نجويہم مخالفة شرط الواقف في سبعة مسائل منها: الإمام لو شرط له ما لا يكفيه بخالف شرطه اهـ... والخاص: أن الوجه يقتضي أن ما كان قريبا من العمارة يلحق بها في التقلص على بقية المستحقين، وإن شرط الواقف قسمة الربع على الجميع بالحصصة أو جعل لكل قدرا وكان ما قدره للإمام ونحوه لا يكفيه فيعطي قدر الكفاية لئلا يلزم تعطيل المسجد.

البحر الرائق ، دارالكتاب الاسلامي - (5 / 230)

والذي يتبدأ به من ارتفاع الوقف عمارته شرط الواقف أو لا ثم ما هو أقرب إلى العمارة وأعم للمصلحة كالإمام للمسجد والمدرس للمدرسة يصرف إليهم إلى قدر كفايتهم ثم السراج والبساط كذلك إلى آخر المصالح. اهـ.

وظاهره تقلص الإمام والمدرس على جميع المستحقين بلا شرط والتسوية بالعمارة يقتضي تقديمهما عند شرط الواقف أنه إذا ضاق ربع الوقف قسم الربع عليهم بالحصصة وأن هذا الشرط لا يعتبر .

الدر المختار - (4 / 219)

ويعطي بقدر الحاجة والفقہ والفضل فإن قصر كان الله عليه حسيبا زيلعي.

رد المختار - (4 / 219)

(قوله ويعطي بقدر الحاجة إلخ) الذي في الزيلعي هكذا، ويجب على الإمام أن يتقي الله تعالى ويصرف إلى كل مستحق قدر حاجته من غير زيادة فإن قصر في ذلك كان الله تعالى عليه حسيبا. اهـ.

فقہاء کی ان تصریحات کا تقاضا یہ ہے کہ ائمہ مساجد اگر اپنی ذمہ داریاں درست انداز میں نبھائیں اور مسجد کے فنڈ میں گنجائش ہو تو مسجد انتظامیہ ان کے لئے کم از کم اتنے وظیفے کا لازماً انتظام کرے جس سے ان کی ضروریات پوری ہو سکیں اور وہ معاشرے میں ایک باعزت شخص کی طرح زندگی گزار سکیں۔ نیز انتظامیہ یہ بھی ذہن میں رکھے کہ شرعاً مسجد کی



آمدنی میں پہلا حق مسجد کی ضروری تعمیرات اور ائمہ حضرات کی مناسب تنخواہ کا ہے اور مسجد کی زیب و زینت کا نمبر اسکے بعد ہے، اسلئے ائمہ حضرات کو ان کی حاجت کے بقدر مناسب مشاہرہ دینے کا اہتمام پہلے کیا جائے۔ اسکے بعد مسجد کی زیب و زینت اور دیگر سہولیات کی طرف توجہ دی جائے۔

نیز صورتِ مسئلہ میں مسجد کے امام و مؤذن کی رہائش کیلئے وقف شدہ مکان چونکہ مسجد کے مصالح میں سے ہے، اسلئے اس کی بجلی، گیس وغیرہ کا کرایہ فی نفسہ مسجد کے فنڈ سے ادا کرنا جائز ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ یہ بل وغیرہ وہ خود ادا کریں اور ان کو اتنی تنخواہ دی جائے جس سے وہ یہ بل ادا کر سکیں۔

﴿۲﴾۔ حاجت سے مراد انسان کی اپنی اور اسکے اہل و عیال کے کھانے پینے، لباس، اور رہائش وغیرہ کی ضروریات ہیں، اور مناسب مشاہرے سے مراد ایسا مشاہرہ ہے جس سے ائمہ حضرات اپنے معاشرے کے کم از کم درمیانے درجہ کے افراد کی طرح یہ ضروریات پوری کر سکیں۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں ان کا اپنا وظیفہ معاشرے کے ایک متوسط فرد کے برابر مقرر تھا، صحیح روایت میں خود حضرت عمرؓ کے اپنے الفاظ ”وقوتی وقوت عیالی کرجل من قریش لیس بأعلاہم ولا أسفلہم.“ مروی ہیں:

فتح الباری لابن حجر - (13 / 151)

واما أثر عمر فوصله بن أبي شيبة بن سعد من طريق حارثة بن مضرب بضم الميم وفتح الضاد المعجمة وتشديد الراء بعدها موحدة قال قال عمر إني أنزلت نفسي من مال الله بمحلة قيم اليتيم إن استغنيت عنه تركت وإن افتقرت إليه أكلت بالمعروف وسنده صحيح وأخرج الكرايسي بسند صحيح عن الأحنف قال كنا بباب عمر فذكر قصة وفيها فقال عمر أنا أخيركم بما أستحل ما أحج عليه وأعتمر وحلتي الشتاء والقيظ وقوتي وقوت عيالي كرجل من قریش لیس بأعلاہم ولا أسفلہم .

السنن الكبرى للبيهقي - (6 / 575)

عن الأحنف بن قيس قال: كنا بباب عمر بن الخطاب رضي الله عنه ننظر أن يؤذن لنا، فخرجت جارية، فقلنا: سرية أمير المؤمنين، فسمعت فقالت: ما أنا بسرية أمير المؤمنين، وما أحل له، إني لمن مال الله تعالى، قال: فذكر ذلك لعمر بن الخطاب، فدخلنا عليه فأخبرناه بما قلنا، وبما قالت، فقال: " صدقت، ما تحل لي، وما هي لي بسرية، وإنما لمن مال الله عز وجل ، فما سأخبركم بما أستحل من هذا المال ، أستحل منه حلتين: حلة للشتاء ، وحلة للصيف ، وما يسعني لحجي وعمرتي وقوتي وقوت أهل بيتي ، وسهمي مع المسلمين كسهم رجل، لست بأرفعهم ولا أوضعهم "

نیز حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا وظیفہ بھی متوسط شہری کے برابر تھا، چنانچہ امام ذہبی رحمہ اللہ نے تاریخ الاسلام اور سیر اعلام النبلاء میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا وظیفہ مقرر کئے جانے جو واقعہ نقل کیا ہے، اس میں حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ منقول ہیں ”أفرض لك قوت رجل من المهاجرين وكسوته“ یعنی میں آپ کے لئے ایک عام مہاجر شخص کے برابر وظیفہ مقرر کرتا ہوں۔ علامہ سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں جو روایت ذکر کی ہے اس

میں ”افرض لك قوت رجل من المهاجرين“ کے بعد ”ليس بأفضلهم ولا أو كسهم“ کا اضافہ بھی ہے، نیز امام غزالی رحمہ اللہ نے اپنے الفاظ میں واقعہ نقل کرتے ہوئے ”قوت أهل بيت من المسلمين“ کے الفاظ استعمال کئے ہیں:

تاریخ الإسلام للذہبی ت بشار - (2 / 66)

وقال إبراهيم بن طهمان، عن خالد الحذاء، عن حميد بن هلال قال: لما بويع أبو بكر أصبح وعلى ساعده أبراد، فقال عمر: ما هذا؟ قال: يعني لي عيال، قال: انطلق يفرض لك أبو عبيدة. فانطلقنا إلى أبي عبيدة، فقال: افرض لك قوت رجل من المهاجرين وكسوته، ولك ظهرك إلى البيت.... وقال عطاء بن السائب: لما استخلف أبو بكر أصبح وعلى رقبته أثواب يتحر فيها، فلقبه عمر وأبو عبيدة فكلماه، فقال: فمن أين أطعم عيالي؟ قال: انطلق حتى تفرض لك. قال: ففرضوا له كل يوم شطر شاة، وماكسوه في الرأس والبطن.... وعن ميمون بن مهران قال: جعلوا له ألفين وخمسمائة.

وكذا في سير أعلام النبلاء ط الحديث - (2 / 361)

تاریخ الخلفاء - (1 / 63)

وأخرج ابن سعد عن عطاء بن السائب قال: لما بويع أبو بكر أصبح وعلى ساعده أبراد، وهو ذاهب إلى السوق، فقال عمر: أين تريد؟ قال: إلى السوق، قال: تصنع ماذا وقد وليت أمر المسلمين؟ قال: فمن أين أطعم عيالي؟ قال: انطلق، يفرض لك أبو عبيدة، فانطلقا إلى أبي عبيدة، فقال: افرض لك قوت رجل من المهاجرين، ليس بأفضلهم ولا أو كسهم، وكسوة الشتاء والصيلف إذا انحلت شيئا رددته وأخذت غيره، ففرضوا له كل يوم نصف شاة، وماكسوه في الرأس والبطن

إحياء علوم الدين - (4 / 268)

والدليل على أن الكسب لا ينافي حال التوكل إذا روعيت فيه الشروط وانضاف إليه الحال والمعرفة كما سبق أن الصديق رضي الله عنه لما بويع بالخلافة أصبح آخذاً الأثواب تحت حضنه والذراع بيده ودخل السوق ينادي حتى كرهه المسلمون وقالوا كيف تفعل ذلك وقد أقيمت خلافة النبوة فقال لا تشغلوني عن عيالي فإني إن أضعتهم كنت لما سواهم أضيع حتى فرضوا له قوت أهليتهم من المسلمين فلما رضوا بذلك رأى مساعدتهم وتطيب قلوبهم واستغراق الوقت بمصالح المسلمين أولى

نیز فقہاء نے صراحت فرمائی ہے کہ مشاہرہ کی مقدار اور کیفیت کا تعین زمانے اور علاقے کے عرف و رواج کو دیکھ کر کیا جائے گا:

بدائع الصنائع ، دارالکتب العلمیة - (4 / 23)

ولأنه أوجبها باسم الرزق ورزق الإنسان كفايته في العرف والعادة كرزق القاضي والمضارب.

الدر المختار - (6 / 389)

وجاز (رزق القاضي) من بيت المال لو بيت المال حلالا جمع بحق وإلا لم يحل وعبر بالرزق ليفيد تقديره بقدر ما يكفيه وأهله في كل زمان

رد المختار - (6 / 389)

(قوله في كل زمان) متعلق بتقدير أو بيكفيه أي يقدر بقدر كفايته في كل زمان، لأن المونة

تختلف باختلاف الزمان

الاختيار لتعليل المختار - (4 / 4)

قال: (وهو مقدر بكفايتها بلا تقتير ولا إسراف) لما تقدم من حديث هند، وليس فيها تقدير لازم لاختلاف ذلك باختلاف الأوقات والطباع والرخص والغلاء، والوسط خبز البر والإدام بقدر كفايتها.

حاشية الشرنبلالي على درر الحكام شرح غرر الأحكام - (1 / 413)

(قوله: بقدر حالهما) أي من غير تقدير وإنما نجب بقدر كفايتها بالمعروف بحسب الزمان والمكان، والنفقة الواجبة المأكل والملبس والسكن

واضح رہے کہ اس سے مراد ”قوت لایموت“ ہرگز نہیں، کیونکہ معاشرے کے متوسط فرد کی زندگی کے اخراجات ”قوت لایموت“ پر مبنی نہیں ہوتے، چنانچہ بدائع اور فتح القدير وغیرہ میں ہے کہ:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت شریح رحمہ اللہ کو قاضی کے عہدہ پر فائز کیا اور ماہانہ سو درہم (زکوٰۃ کا آدھا نصاب) ان کا وظیفہ مقرر کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں ان کا ماہانہ وظیفہ پانچ سو درہم کر دیا تھا:

مصنف ابن أبي شيبة - (4 / 430)

حدثنا أبو بكر قال: حدثنا الفضل بن دكين، عن حسن بن صالح، عن ابن أبي ليلى، قال:

بلغنا أو قال: بلغني، أن علياً «رزق شريحاً خمسمائة»

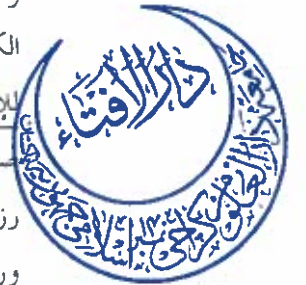
فتح القدير للكمال ابن الهمام - (7 / 258)

وذكر عن عمر - رضي الله عنه - أنه كان يرزق سليمان بن ربيعة الباهلي على القضاء كل شهر خمسمائة درهم لأنه فرغ نفسه للعمل للمسلمين، فكانت كفايته وعياله عليهم. قالوا: وكان عمر - رضي الله عنه - يرزق شريحاً كل شهر مائة درهم ورزقه علياً خمسمائة وذلك لقله عياله في زمن عمر - رضي الله عنه -، أو رخص السعر وكثرة عياله في زمن علي - رضي الله عنه - أو غلاء السعر، فرزق القاضي لا يقدر بشيء لأنه ليس بأجر لأنه لا يحصل على القضاء.

بدائع الصنائع، دارالكتب العلمية - (7 / 13)

وهل للقاضي أن يأخذ الرزق؟ فإن كان فقيراً له أن يأخذ؛ لأنه يعمل للمسلمين فلا بد له من الكفاية، ولا كفاية له، فكانت كفايته في بيت المال، لا أن يكون له ذلك أجرة عمله، وبنبغي للإمام أن يوسع عليه وعلى عياله كي لا يطمع في أموال الناس. وروي «أن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - لما بعث عتاب بن أسيد - رضي الله عنه - إلى مكة، وولاه أمرها، رزقه أربعمائة درهم في كل عام».

وروي أن الصحابة الكرام - رضي الله عنهم - أجزوا لسيدنا أبي بكر الصديق - رضي الله عنه - كل يوم درهماً وثلاثاً أو ثلثين من بيت المال، وكذا روي أنه كان لسيدنا عمر - رضي الله عنه - مثل ذلك من بيت المال، وكان لسيدنا علي - رضي الله عنه - كل يوم قصعة من ثريد، ورزق سيدنا عمر - رضي الله عنه - شريحاً، وروي أن سيدنا علياً فرض له خمسمائة



درهم في كل شهر وإن كان غنيا اختلفوا فيه قال بعضهم: لا يحل له أن يأخذ؛ لأن الأخذ بحكم الحاجة، ولا حاجة له إلى ذلك، وقال بعضهم: يحل له الأخذ، والأفضل له أن يأخذ. أما الحل؛ فلما بينا أنه عامل للمسلمين، فكانت كفايته عليهم لا من طريق الأجر وأما الأفضلية؛ فلأنه وإن لم يكن محتاجا إلى ذلك فرما يجيء بعده قاض محتاج، وقد صار ذلك سنة ورسما، فتمتنع السلاطين عن إبطال رزق القضاة إليهم - خصوصا سلاطين زماننا - فكان الامتناع من الأخذ شحا بحق الغير، فكان الأفضل هو الأخذ.

السنن الكبرى للبيهقي - (6 / 578)

عن أبي الزبير، عن جابر، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم "استعمل عتاب بن أسيد على مكة، وفرض له عمالته أربعين أوقية من فضة"

نیز عمدۃ القاری، طبقات ابن سعد اور تاریخ دمشق میں نقل کیا گیا ہے کہ خلافت کے ذمہ داریوں کی وجہ سے جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنا کاروبار سنبھالنے سے معذور ہو گئے تو صحابہؓ نے ان کے لئے دو ہزار درہم (سالانہ) وظیفہ مقرر کر دیا، لیکن پھر اس میں اضافہ کر دیا گیا، کیونکہ وہ ناکافی تھا:

عمدة القاري شرح صحيح البخاري - (11 / 185)

وروى ابن سعد بإسناد مرسل برجال ثقات، قال: (لما استخلف أبو بكر، رضي الله تعالى عنه، أصبح غاديا إلى السوق على رأسه أثواب يتجر بها، فلقبه عمر بن الخطاب وأبو عبيدة بن الجراح، رضي الله تعالى عنهما، فقالا: كيف تصنع هذا وقد وليت أمر المسلمين؟ قال: فمن أين أطمع عيالي؟ قالوا: نفرض لك، ففرضوا له كل يوم شطر شاة) وفي الطبقات: عن حميد بن هلال: لما ولي أبو بكر، قالت الصحابة، رضي الله تعالى عنهن: افرضوا للخليفة ما يغنيه. قالوا: نعم! برداه إذا أحلقهما وضعهما وأخذ مثلها وظهره إذا سافر، ونفقتة على أهله كما كان ينفق قبل أن يستخلف. فقال أبو بكر رضيته. وعن ميمون قال: لما استخلف أبو بكر جعلوا له ألفين فقال: زيدوني فإن لي عيالا فزادوه خمس مائة فقال إما أن يكون ألفين فزادوه خمس مائة أو كانت ألفين وخمس مائة فزادوه خمسمائة، ولما حضرت أبا بكر الوفاة حسب ما أنفق من بيت المال فوجدوه سبعة آلاف درهم ...

الطبقات الكبرى ط دار صادر - (3 / 185)

قال: أخبرنا أحمد بن عبد الله بن يونس قال: أخبرنا أبو بكر بن عياش، عن عمرو بن ميمون، عن أبيه قال: "لما استخلف أبو بكر جعلوا له ألفين، فقال: زيدوني، فإن لي عيالا، وقد شغلتموني عن التجارة، قال: فزادوه خمسمائة، قال: إما أن تكون ألفين، فزادوه خمسمائة، أو كانت ألفين وخمسمائة فزادوه خمسمائة"

اگر ان وظائف کی موجودہ مالیت دیکھی جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ یہ موجودہ دور میں دینی خدمات انجام دینے والوں کے مشاہرے سے کہیں زیادہ ہے، کیونکہ نبی ﷺ کے دور میں سونے کے نصاب (بیس دینار) اور چاندی کے نصاب (دو سو درہم) کی مالیت برابر تھی، اور ایک دینار دس درہم کے برابر شمار ہوتا تھا:

الأموال لأبي عبيد القاسم بن سلام (الموتى: 224هـ) - (1 / 624)

لأن أصل الدينار أن يعدل الدينار بعشرة دراهم،

بدائع الصنائع ، دارالكتب العلمية - (2 / 18)

وكان الدينار على عهد رسول الله - صلى الله عليه وسلم - مقوما بعشرة دراهم

المبسوط للسرخسي ، دارالمعرفة - (26 / 78)

وقد كانت قيمة كل دينار على عهد رسول الله - عليه السلام - عشرة دراهم

بدليل النص المروي في نصاب السرقة حيث قال: «لا قطع إلا في دينار أو عشرة

دراهم» وقال علي - رضي الله عنه - حين ضجر من أصحابه: ليت لي بكل

عشرة من أهل العراق واحدا من أهل الشام صرف الدينار بالدراهم، ونصاب

الزكاة منهما على أن قيمة كل دينار كانت عشرة دراهم

اور محققین کی رائے یہ بھی ہے کہ چاندی نے اپنی حیثیت اگرچہ بہت زیادہ گرا لی ہے، لیکن سونے کی قوت خرید (قوت شرائیہ) بہت حد تک ہر زمانے میں تقریباً برابر رہی ہے۔

اس کا حاصل یہ ہوا کہ اُس دور کے دو سو درہم کی مالیت (قوت خرید) آج کے سونے کے نصاب (ساڑھے سات تولہ سونے) کے برابر ہوئی، اس حساب سے حضرت شریح کیلئے طے کیا گیا بلکہ ابتدائی وظیفہ (سودرہم) آج کے حساب سے تقریباً سونے کے آدھے نصاب کی مالیت (قوت خرید) رکھتا تھا، اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے لئے طے کیا گیا وظیفہ (جو بعض روایات کے مطابق تین ہزار درہم سالانہ یعنی دو سو پچاس درہم ماہانہ تھا) اس سے بدرجہا زیادہ تھا۔

فقه الزكاة ، للشيخ يوسف القرضاوي حفظه الله (1 / 264)

أن الفضة تغيرت قيمتها بعد عصر النبي صلى الله عليه وسلم ومن بعده ، وذلك لاختلاف

قيمتها باختلاف العصور كسائر الأشياء ، أما الذهب فاستمرت قيمته ثابتة إلى حد بعيد ، ولم

تختلف قيمة النقود الذهبية باختلاف الأزمنة ، لأنها وحدة التقدير في كل العصور... فبالمقارنة

بين الأنصبة المذكورة في أموال الزكاة كخمس من الإبل أو أربعين من الغنم ، أو خمسة أوسق

من الزبيب أو التمر ، نجد أن الذي يقارها في عصرنا هو نصاب الذهب لا نصاب الفضة .

مجلة مجمع الفقه الإسلامي ، النقود وتقلب قيمة العملة ، د. محمد سليمان الأشقر - (5 / 1263)

ونحن نجد في السنة النبوية المأثورة مواضع تعرف منها القوة الشرائية للنقد الذهبي في ذلك

العهد، ونقارنه بالقوة الشرائية للذهب في عصرنا الحاضر، فلا نكاد نجد فرقا يذكر..... من

هذا نستطيع أن نقول: إن القوة الشرائية للذهب في زمن النبي صلى الله عليه وسلم كانت

تساوي 100% أو 120% مما هي عليه الآن لا أكثر.

ان عبارات سے ثابت ہوتا ہے کہ قرونِ اولیٰ میں دینی خدمات کیلئے خود کو وقف کرنے والے حضرات کے لئے بیت المال اور احباب کی طرف سے ان کی ضروریات اور معاشرے کے عرف رواج کو سامنے رکھ کر مناسب وظائف طے کئے جاتے تھے، لہذا فی زمانہ بھی مساجد کے ائمہ حضرات کی تنخواہ اپنے معاشرے کے متوسط افراد کے برابر ہونا ضروری ہے، اور مسجد کے متولی حضرات پر لازم ہے کہ تنخواہ طے کرتے ہوئے کم از کم معاشرے کے متوسط افراد کے



عرف کو ضرور سامنے رکھیں۔ البتہ خود دین کی خدمت کرنے والے حضرات پر لازم ہے کہ وہ زہد و تقویٰ کا نمونہ بنتے ہوئے توکل علی اللہ کا راستہ اختیار کریں اور ”حب الدنیا راس کل خطیئۃ“ کے ارشادِ نبوی ﷺ کو اپنے سامنے رکھتے ہوئے دنیا اور مال و شہرت کی محبت اور حرص کو اپنے قریب نہ آنے دیں۔

نیز مذکورہ بالا عبارات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آجکل ائمہ حضرات کو جو انتہائی کم تنخواہ دینے کا رواج ہے اور اسی کو دینداری سمجھا جاتا ہے، یہ رواج نہ صرف یہ کہ شرعاً پسندیدہ نہیں، بلکہ فقہاء کرامؒ کے بیان کردہ اصولوں اور اسلام کے ابتدائی تعامل کے بھی خلاف ہے، اس لئے اس رواج کو تبدیل کرنا ضروری ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

محمد طلحہ ہاشم عفی عنہ

دارالافتاء جامعہ دارالعلوم کراچی

۲۴ / محرم الحرام / ۱۴۴۱ھ

24 / ستمبر / 2019ء

الجواب صحیح
العبد المذنب
داؤد غفواً عنہ
۲۵ / ۱ / ۱۴۴۱ھ
2019-09-25 سن



الجواب صحیح
۱۴۴۱ھ

الجواب صحیح
محمد حقوق عفی عنہ
۱۴ / ۱ / ۱۴۴۱ھ



الجواب صحیح
شاہ محمد تنزیل علی کاہر
۲۵ / ۱ / ۱۴۴۱ھ

الجواب صحیح
نبیہ محمد نعیمی عثمانی عفی عنہ
۲۴ / ۱ / ۱۴۴۱ھ



